مولانا محمد شہاب الدین ندوی
ناظم فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور (انڈیا)

زکوٰۃ کا اجتماعی نظام اور

اس کی اہمیت اور افادیت

اسلامی شریعت کی روشنی میں ایک جائزہ

(۳)

صحابۂ کرامؓ کے فتاویٰ

مذکورۂ بالا تصریحات کے علاوہ اس سلسلے میں خود صحابۂ کرامؓ کے فتاویٰ بھی موجود ہیں کہ اپنے اموال کی زکوٰۃ حکام وقت کو ادا کی جائے۔ اور یہ فتاویٰ متعدد جلیل القدر صحابۂ کرام سے مروی ہیں۔ چنانچہ بطور مثال چند فتاویٰ ملاحظہ ہوں۔

(۱) ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے اپنے مال کی زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا کہ میں اسے کس کے حوالے کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اسے اُس کے حوالے کر جس کے ہاتھ پر تم نے بیعت کی ہے۔ یعنی خلیفۂ وقت کو۔ ادفعھا الی من بایعت [1]۔

(۲) حضرت ابن عمرؓ نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ یہ لوگ (یعنی اُموی خُلفاء) جب تک نماز (کا نظام) قائم رکھیں زکوٰۃ انہی کے حوالے کرو۔

ما أقاموا الصلوٰۃ فادفعوھا الیھم [2]

(۳) موصوف ہی نے ایک اور موقع پر فرمایا کہ زکوٰۃ اُن کو دو جن کے سپرد اللہ نے تمہارا معاملہ کیا ہے۔ جس نے نیکی کی تو اپنے لیے کی اور جس نے گناہ کیا اُس کا وبال بھی اُسی پر ہوگا۔

ادفعوھا الی من ولّاہ اللہ امرکم۔ فمن برّ فلنفسہٗ ومن أثم فعلیھا [3]

(۴) سہیل بن ابو صالح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ یہ سلطان (اموی خلیفہ) جو کچھ (بدد یانتی)

---

[1] ایضاً، ص ۵۶۸ [2] ایضاً، ص ۵۶۸ [3] کتاب الأموال، ص ۵۶۹

کررہے ہیں وہ آپ حضرات دیکھ ہی رہے ہیں۔ توکیا اس صورت میں بھی میں اپنی زکوٰۃ انہی (خلفاء) کو دوں؟ تو سب نے (متفقہ طور پر) کہا کہ ہاں انہی کو دو۔ إنّ هذا السلطان يصنع ما ترون، أفادفع زكاتي اليهم؟ قال، فقالوا كلهم ادفعها اليهم [1]

(۵) اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی زکوٰۃ سلطان (خلیفۂ وقت) کو ادا کرتی تھیں۔ أنّ عائشة كانت تدفع زكاتها الى السلطان [2]

ابو عُبید کی رائے

امام ابو عبیدؒ نے اپنی کتاب الأموال میں صحابۂ کرامؓ کے فتاویٰ اور اُن کے عمل کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے اور اس سلسلے میں علماء کا اختلاف بھی بیان کیا ہے۔ نیز یہ بھی تصریح کی ہے کہ ہمارے خیال میں مذکورۂ بالا فتاویٰ اُن لوگوں کے بارے میں ہیں جو سرکاری وظائف حاصل کیا کرتے تھے۔ [3] اور حضرت ابن عمرؓ کا بعد میں اپنے فتاویٰ سے رجوع کرنے کا بھی تذکرہ ہے۔ [4] پھر آخر میں تحریر کرتے ہیں کہ زکوٰۃ حکّام کو ادا کرنا یا انفرادی طور پر خرچ کرنا (اسلامی معاشرہ میں) دونوں طریقوں پر عمل ہوتا رہا ہے اور دونوں طریقوں سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے، مگر اپنے طور پر زکاۃ ادا کرنا صرف سونے چاندی کی زکوٰۃ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ اگر کسی نے اپنے طور پر ادا کی تو سرکاری نمائندوں کو دوبارہ دینا پڑے گا [5] کیونکہ وہ زکوٰۃ جس کی ادائیگی پر لوگوں کو مجبور کیا جاتا تھا اور اس کی عدم ادائیگی کی بنا پر اُن سے جنگ کی جاتی تھی وہ مویشی، کھیتیاں اور کھجور ہوا کرتے تھے [6] اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خاص کر مویشیوں کی زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کی بنا پر جنگ کی تھی۔ اور اس دور میں لوگ اموال باطنہ کی زکوٰۃ بغیر کسی جبر کے رضاکارانہ طور پر خود ہی ادا کردیا کرتے تھے، کیونکہ وہ اُن کی امانتیں تھیں جنہیں ان کو ادا کرنا تھا۔ [7]

بعض فقہی مسائل ومباحث

(۱) حاصل یہ کہ اسلام کے دورِ اوّل میں ظاہرہ اور باطنہ دونوں قسم کے اموال کی زکوٰۃ سرکاری طور پر وصول کی جاتی تھی، مگر اموال باطنہ میں تھوڑی سی چھوٹ بھی تھی۔ اور یہ صورت حال خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کے دور تک قائم رہی۔ (جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے) مگر اس میں فرق یہ تھا کہ مویشی اور غلّہ جات کی زکوٰۃ سرکاری نمائندے چراگاہوں وغیرہ میں خود جاکر وصول کرلیا کرتے تھے۔ اور اس میں کسی قسم کی رعایت نہیں کی جاتی تھی۔ اس کے برعکس (جیسا کہ عموماً کہا جاتا ہے) سونے، چاندی اور مالِ تجارت کی زکوٰۃ حاصل کرنے کے لیے لوگوں کے گھروں کو نہیں جانا پڑتا تھا

---

[1] ایضاً ص ۵۶۸ [2] ایضاً ص ۵۶۸ [3] ایضاً ص ۵۷۰ [4] ایضاً ص ۵۷۲
[5] ایضاً ص ۵۷۳ [6] ایضاً ص ۵۳۱ [7] ایضاً ص ۵۳۹

اور نہ اس مقصد کے لیے کسی کی تلاشی لی جاتی تھی۔ بلکہ لوگ عموماً رضا کارانہ طور پر اپنی زکوٰۃ خود ہی لا کر بیت المال میں جمع کر دیتے تھے۔ کیونکہ اس وقت کے اسلامی معاشرہ میں اعتماد باہمی کی فضا قائم تھی۔ اور خدا کا خوف انہیں خیانت کرنے سے باز رکھتا تھا۔ اس لیے وہ اس مال کو ایک امانت سمجھ کر امام وقت کے حوالے کر دیتے۔ ہاں البتہ راستوں پر سے گزرتے ہوئے اموال تجارت کی زکوٰۃ سرکاری نمائندے بغیر کسی رُو رعایت کے وصول کر لیتے۔ کیوں کہ وہ اس صورت میں اموال ظاہرہ بن جاتے ہیں۔ عشر کے بیان میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲) اس سلسلے میں اصولی بات یہ ہے کہ قرآن، حدیث اور دور اوّل کے ضوابط کے مطابق امام وقت کو ہر قسم کے اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حاصل ہے، جیسا کہ بدلائل یہ بحث گزر چکی ہے۔ اور اس سلسلے میں بعض فقہائے احناف کی رائیں بھی اس طرح ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ کے دور تک ان ضوابط پر برابر عمل ہوتا رہا جیسا کہ شارح ہدایہ علامہ ابن ہمامؒ تحریر کرتے ہیں۔

ان ظاهر قوله تعالیٰ (خذ من اموالهم صدقة الآية) توجب حق أخذ الزكوٰة مطلقاً للامام۔ وعلى هذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتان بعده[۱]

اور ہدایہ کے ایک دوسرے شارح محمد اکمل الدین صاحب عنایہ تحریر کرتے ہیں: وهذا لأن ظاهر قوله تعالیٰ (خذ من اموالهم صدقة) يثبت للامام حق الأخذ من كل مال وكذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتان بعده كانوا يأخذون[۲]

لہٰذا جو حق امام کو قرآن، سنت نبوی اور دور اوّل کے خلیفوں سے حاصل ہو وہ ہمیشہ کے لیے باطل اور حرف غلط کی طرح زائل نہیں ہو سکتا۔

(۳) فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کوئی شخص انفرادی طور پر ادا نہیں کر سکتا، بلکہ اسے امام وقت کے حوالے کرنا پڑے گا۔ اسی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جنگ کی تھی۔ لیکن اختلاف صرف اموال باطنہ کے بارے میں ہے کہ وہ انفرادی طور پر ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں بھی تقریباً تمام فقہاء متفق ہیں کہ امام وقت انہیں وصول کر کے تقسیم کر سکتا ہے۔ لیکن کیا وہ لوگوں کو اس پر مجبور بھی کر سکتا ہے؟ تو اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ کیونکہ خلافت عثمانؓ کے بعد صورتحال میں تبدیلی واقع ہو گئی۔

---

[۱] فتح القدیر شرح ہدایہ، ۲/ ۱۱۹، مطبوعہ پاکستان۔

[۲] عنایہ شرح ہدایہ، برحاشیہ فتح القدیر: ۲/ ۱۱۹

پچھلے مباحث اور دلائل سے بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ دور اوّل میں اموال باطنہ کی زکوٰۃ بھی سرکاری طور پر وصول اور تقسیم کی جاتی تھی۔ مگر دور عثمان رضؓ میں کیا تغیر ہوا اور کیوں ہوا؟ تو اس سلسلے میں فقہائے احناف نے جو اسباب بیان کیے ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) علامہ کاسانیؒ کے بیان کے مطابق دور عثمان میں چونکہ مال غنیمت کی کثرت ہو گئی تھی اور اموال باطنہ کی تلاش میں اصحاب مال کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے حضرت عثمان رضؓ نے مصلحت اس میں دیکھی کہ (اموال باطنہ میں) زکوٰۃ کی ادائیگی کا حق مال والوں کو دے دیا جائے

فلما کثرت الأموال فی زمانه وعلم أن فی تتبعها زیادة ضرر بأربابها رأی المصلحة فی أن یفوض الأداء الی أربابها [۱]

(ب) اور شارح ہدایہ علامہ ابن ہمامؒ نے اس کا جو سبب بیان کیا ہے وہ یہ تھا کہ حضرت عثمان رضؓ نے اپنے دور میں اس بات کو ناپسند کیا کہ عاملین زکوٰۃ لوگوں کے پوشیدہ اموال کی جانچ پڑتال کریں۔ کرہ

أن تفتش السعاة علی الناس مستور أموالهم [۲]

(۴) مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر حضرت عثمان رضؓ نے مصلحتاً ارباب اموال کو چھوٹ دے دی کہ وہ اپنی زکوٰۃ خود بھی ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن اُن کی حیثیت امام کی جانب سے بطور وکیل یا نائب کی سی رہے گی۔ اسی بنا پر امام کا حق باطل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی وصولی کا حق اسے حاصل رہے گا۔ لہٰذا امام کو جب معلوم ہو جائے کہ کسی شہر کے لوگ اموال باطنہ کی زکوٰۃ ادا نہیں کر رہے ہیں تو اس وقت وہ (زبردستی بھی) وصول کر سکتا ہے [۳]۔

(۵) علامہ کاسانی اس سلسلے میں مزید تحریر کرتے ہیں کہ جب لوگ اس فریضہ کو برابر انجام دے رہے ہوں تو اس صورت میں امام کو زبردستی اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس سے اجماع کی مخالفت لازم آئے گی۔ حالانکہ موصوف یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تجارتی مال کی زکوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر رضؓ اپنے اپنے دور میں وصول کیا کرتے تھے۔ موصوف کی پوری عبارت ملاحظہ ہو۔

وأما زکاة التجارة فمطالب بها أیضاً۔ تقدیر الأن حق الأخذ للسلطان۔ وکان یأخذها رسول الله صلی الله علیه وسلم وأبو بکر وعمر رضی الله عنهما الی زمن

---

[۱] بدائع الصنائع: ۲/۷، مطبوعہ کراچی [۲] فتح القدیر شرح ہدایہ: ۲/۱۱۹، مطبوعہ کوئٹہ۔
[۳] بدائع الصنائع: ۲/۷۔

عثمان رضی اللہ عنہ ۔ فلما کثرت الأموال فی زمانہ وعلم أن فی تتبعھا زیادۃ ضرر بأربا بہا رای المصلحۃ فی أن یفوض الاداء الی اربابہا باجماع الصحابۃ ۔ فصار أرباب الأموال کالوکلاء عن الامام ...... فہذا توکیل لأرباب الأموال باخراج الزکاۃ فلا یبطل حق الامام عن الأخذ ۔ ولہذا قال أصحابنا ان الامام اذا علم من أھل بلدۃ أنھم یترکون أداء الزکاۃ من الأموال الباطنۃ فانہ یطالبھم بھا ۔ لکن اذا أراد الامام أن یأخذھا بنفسہ من غیر تہمۃ الترک من أربابھا لیس لہ ذلک ، لما فیہ من مخالفۃ اجماع الصحابۃ رضی اللہ عنہم [1]

کیا حضرت عثمان رضؓ نے قرآن اور حدیث کو بدل دیا ؟

شرعی دلائل کی رُو سے ہر قسم کے مال کی زکوٰۃ وصول اور تقسیم کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے ۔ خود علامہ کاسانیؒ بھی اسی کے قائل ہیں جیسا کہ اوپر کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے ۔ اس طرح یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ بن گیا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے ارباب اموال کو تھوڑی چھوٹ کیا دے دی گویا کہ امام وقت کا حق ہی ہمیشہ کے لیے زائل ہو گیا ۔ لہٰذا اس موقع پر ایک بہت بڑا اور اصولی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن اور حدیث کے احکام کو کوئی خلیفہ یا امام محض اپنی صوابدید یا مصلحت کی بنا پر بدل سکتا ہے ؟ تو صاف ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہو گا ۔ اور دوسری بات یہ کہ اس موقع پر کاسانیؒ نے حضرت عثمان رضؓ کے لیے "رأی المصلحۃ" کے الفاظ استعمال کیے ہیں ۔ یعنی یہ اقدام خلیفہ نے بطور مصلحت کیا تھا ۔ اور اس کی علت کثرت اموال تھی ، جو بربنائے مصلحت تھی ۔ لہٰذا اس کی بنیاد پر جو فیصلہ کیا گیا وہ بھی ایک عارضی فیصلہ ہونا چاہیے ۔ اس اعتبار سے جب وہ سبب زائل ہو جائے تو پھر مصلحت بھی بدل سکتی ہے ۔ نتیجہ یہ کہ اسے ایک اجماع قرار دے کر اس حکم کو ابدی اور ناقابل تغیّر قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ اصولی طور پر قرآن اور حدیث کے احکام ابدی اور ہر حال میں مقدّم رہیں گے ، جنہیں بدلنے یا منسوخ کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے ۔ اس کے برعکس مبنی بر مصالح احکام ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں ۔

جنہیں کبھی دوام و ثبات حاصل نہیں ہو سکتا ۔ چنانچہ عرف و عادات کے بدل جانے کی وجہ سے خود صاحبینؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے بہت سے فیصلوں کے خلاف فتویٰ دیا ہے ۔ غرض اس موقع پر اجماع کی مخالفت کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا ۔ کیونکہ یہاں پر علت "کثرت مال" ہے ۔ اس لیے اگر کوئی اسلامی حکومت "قلتِ مال" سے

---

[1] بدائع الصنائع : ۲/۷

دوچار ہو جائے تو اس وقت دورِ اوّل کے حکم پر عمل کیا جا سکتا ہے ۔ اس اعتبار سے مال والوں کو انفرادی طور پر اپنی زکوٰۃ خود ادا کرنے کی بھی آزادی حاصل ہے وہ ایک عارضی فیصلہ یا استثنائی شکل ہے ۔ ورنہ صاف ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کو قرآن و حدیث اور اپنے پیشرو خلفاء کے فیصلوں سے انحراف کرنے یا انہیں منسوخ قرار دینے کا بالکل اختیار نہیں ہے ۔ اور احادیث و آثار میں اس طرح کی کوئی بات آپ کی طرف منسوب نہیں ہے ۔

(۲) اس موقع پر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہنی چاہیئے کہ بعض علماء کسی مسئلہ میں بلاوجہ اجماع کا دعویٰ کرکے مسئلہ کو پیچیدہ بنا دیتے ہیں ۔ چنانچہ مصارف زکوٰۃ ہی کے سلسلے میں ایک مصرف "مؤلفۃ القلوب" کا بھی ہے یعنی تالیف قلب کی خاطر کسی نومسلم وغیرہ کو زکوٰۃ دینا ۔ لیکن اکثر فقہاء نے اس مصرف کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے ۔ چنانچہ خود علامہ کاسانیؒ بھی اسی کے قائل ہیں [1] اور پھر انہوں نے اسے اجماع صحابہ قرار دے کر معاملہ کو کافی مشتبہ بنا دیا ہے حالانکہ اللہ کے مقرر کردہ فرائض کو کوئی امام یا خلیفہ تو کیا خود رسول بھی اپنی صوابدید کی بنا پر منسوخ نہیں کر سکتا ۔ چنانچہ یہ حقیقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی اس طرح کہلوائی گئی ہے ۔

قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي : کہہ دو کہ مجھے اس بات کا اختیار نہیں ہے کہ میں اس (قرآن) کو اپنی طرف سے بدل دوں ۔ (یونس : ۱۵)

غرض زیر بحث مسئلے میں جس اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے وہ بھی اسی قسم کا "اجماع" معلوم ہوتا ہے ۔

(۳) امام ابو عبیدؒ نے مشہور تابعی ابن سیرینؒ سے ایک روایت نقل کی ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے پیشرو خلفاء کی سنّت سے انحراف نہیں بلکہ اس پر عمل کیا تھا ۔ اور اختلاف جو کچھ ہوا وہ آپ کی شہادت کے بعد رونما ہوا کہ مال باطن کی زکوٰۃ خلیفے کو دی جائے یا اپنے طور پر ادا کی جائے ؟

عن ابن سيرين قال ، كانت الصدقة ترفع (أو قال تدفع) الى النبي صلى الله عليه وسلم أو من أمر به ، والى ابي بكر أو من أمر به ، والى عمر أو من أمر به ، والى عثمان أو من أمر به ۔ فلما قتل عثمان اختلفوا ۔ فكان منهم من يدفعها اليهم ، و منهم من يقسمها ۔ وكان ممن يدفعها اليهم ابن عمر ۔

ابن سیرینؒ بیان کرتے ہیں کہ زکوٰۃ کے بارے میں معمول یہ تھا کہ وہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا آپ کی جانب سے مامور کردہ افراد کو ادا کی جاتی تھی (پھر اسی طرح) ابوبکرؓ یا آپ کی جانب سے مامور کردہ افراد کو ادا کی

---

[1] کتاب الاموال، ص ۵۶۷ - ۵۶۸

باقی تھی۔ (پھر اسی طرح) ابوبکر یا آپ کی جانب سے مامور کردہ افراد کو (پھر) عمر یا آپ کی جانب سے مامور کردہ افراد کو (پھر) عثمان یا آپ کی جانب سے مامور کردہ افراد کو دی جاتی تھی۔ لیکن جب عثمان شہید ہو گئے تو لوگوں نے اختلاف کیا۔ پھر کوئی انہیں دیتا تھا اور کوئی خود سے (عزیزوں میں) تقسیم کرتا تھا۔ اور جو لوگ ان (خلفاء) کو دیتے تھے ان میں ابن عمر بھی تھے ؎۱

اس اعتبار سے اس روایت اور مذکورۂ بالا دعوائے اجماع میں کھلا ہوا تعارض نظر آتا ہے اور یہ پوری بحث محل نظر دکھائی دیتی ہے۔

(۴) اس سلسلے میں ایک بحث یہ بھی ہے کہ بقول علامہ کاسانیؒ و دیگر علماء ارباب اموال خلیفے کی طرف سے صرف وکلاء یا نائبین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل حق صرف امام یا خلیفے کو حاصل ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا امام یا خلیفہ اپنا حق اُس وقت بھی استعمال نہیں کر سکتا جب کہ حکومتی یا اجتماعی مصالح اس کے متقاضی ہوں؟ اسے صرف لوگوں کی عدم ادائیگی ہی کا انتظار کیوں کرنا پڑے گا؟ یہ ایک اہم سوال ہے جس کا جواب کتب فقہ میں نہیں ملتا۔

بعض الجھے ہوئے مسائل

اس سلسلے میں علمائے احناف کے فتاویٰ میں بھی کافی اختلاف دکھائی دیتا ہے اور وہ باہم مختلف و متضاد نظر آتے ہیں۔ یعنی کوئی عالم ان مسائل میں جواز کا فتویٰ دیتا ہے تو کوئی اس کے عدم جواز کا قائل دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ بعض فتاویٰ ملاحظہ ہوں

(۱) فتاویٰ شامیہ میں مذکور ہے کہ اگر سلطان وقت زبردستی زکوٰۃ وصول کرلے اور مال والا زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کرے تو متاخر علماء کے قول کے مطابق یہ بات جائز ہے۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ ظالم سلطان کو حق ولایت حاصل نہیں ہے۔ لأنه ليس للظالم ولاية أخذ الزكوٰة من الأموال الباطنة ؎۲

اس کا مطلب یہ ہوا کہ عادل سلطان کو حق ولایت حاصل ہے۔ مگر یہ بات صاف لفظوں میں یا عمومی اعتبار سے تسلیم نہیں کی جاتی۔

(۲) فتاویٰ شامیہ ہی میں مختصر کرخی کے حوالے سے مذکور ہے کہ جب امام زکوٰۃ زبردستی وصول کرکے صحیح مصرف میں خرچ کرے تو یہ کافی ہو جائے گا۔ کیونکہ امام کو زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار ہے۔ لیکن قنیہ میں مذکور

؎۱ کتاب الأموال، ص ۵۶۷-۵۶۸

؎۲ ردّ المحتار یعنی فتاویٰ شامیہ: ۲/۲۷، مطبوعہ پاکستان

ہے کہ اس میں ایک اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں نیت شرط ہے جو یہاں پر نہیں پائی جارہی ہے۔ ؎۱

(۳) پھر کتاب مذکور ہی میں بحر الرائق کے حوالے سے یہ بھی مذکور ہے کہ اگر یہ بات اموال ظاہرہ میں ہو تو فرض ساقط ہو جائے گا، ورنہ اموال باطنہ میں ساقط نہیں ہوگا ؎۲

(۴) اور امام سرخسیؒ نے المبسوط میں، اُن ظالم سلاطین کے بارے میں جو زکوٰۃ، عُشر، خراج اور جزیہ وصول کرتے ہیں، بعض علماء کے اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ ارباب مال کی ادائیگی کے وقت زکوٰۃ کی نیت کرلیں تو اُن کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ والاصح انه يسقط ذلك عن جميع أرباب الأموال اذا نووا بالدفع التصدق عليهم ؎۳

بہرحال قرآن اور حدیث کے صحیح احکام کی رو سے اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ میں تفریق کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ افراد کو بھی ایک حد تک انفرادی طور پر اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کا حق ہے، مگر حکومت وقت کا حق، جب کہ وہ خصوصیت کے ساتھ عادل ہو، کسی بھی طرح زائل نہیں ہوسکتا، بلکہ بعض فقہاء (مالکیہ) کے نزدیک عادل امام کو زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ اور دیگر ائمہ کے نزدیک زکوٰۃ امام کو ادا کرنا واجب تو نہیں ہے، ہاں البتہ جائز ضرور ہے۔ بلکہ امام کاسانیؒ کے قول کے مطابق امام وقت کو ہر قسم کے مال کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرنے اور اسے بلا تفتیش قبول کرلینے کا بھی حق حاصل ہے، جیسا کہ موصوف تحریر کرتے ہیں۔

على الامام مطالبة أرباب الأموال العين وأموال التجارة بأداء الزكوٰة اليهم، سوى المواشي والأنعام۔ وأن مطالبة ذلك الى الأئمة الا أن يأتي أحدهم الى الامام بشئ من ذلك، فيقبله ولا يتعدّى عما جرت به العادة والسنة الى غيره ؎۴

بہرحال ان تمام مباحث سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اسلامی حکومت کو شرعی اعتبار سے ہر قسم کے اموال کی زکوٰۃ وصول اور تقسیم کرنے کا حق حاصل ہے اور حکومت وقت کسی بھی وقت اس کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ اور دوسری حقیقت یہ ہے کہ حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنا عوام کے لیے شرعاً ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہ رضاکارانہ طور پر بھی اپنی زکوٰۃ حکومت کے حوالے کرسکتے ہیں، خاص کر ایسی صورت میں جب کہ حکومت عادلانہ ہو اور زکوٰۃ اپنے صحیح مصارف میں خرچ کر رہی ہو۔

؎۱، ؎۲ ردّ المحتار، یعنی فتاویٰ شامیہ: ۲/۲۷، مطبوعہ پاکستان، ؎۳ المبسوط، سرخسی: ۲/۱۸۰، مطبوعہ کراچی، نیز ملاحظہ ہو بدائع الصنائع: ۲/۳۶ ؎۴ بدائع الصنائع: ۲/۳۶، مطبوعہ کراچی۔

باطن ظاہر کب بن جاتا ہے ؟

یہ بحث پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے کہ سونا، چاندی اور مال تجارت صرف اسُی وقت تک اموال باطنہ کہلاتے ہیں جب تک کہ وہ شہروں میں رہیں۔ لیکن جب وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیے جا رہے ہوں تو وہ پبلک میں آجانے کی وجہ سے ظاہرہ بن جائیں گے اور حکومت وقت ان کی بھی زکوٰۃ وصول کرے گی۔ اس کو رواج دینے والے خلیفہؓ دوم عمرؓ تھے اور اس کا رواج بعد کے اسلامی ادوار میں رہا ہے۔ اس اعتبار سے بطور قیاس موجودہ دور میں اموال حسب ذیل صورتوں میں اموال ظاہرہ بن جاتے ہیں ۔

- وہ روپیہ اور تمسکات جو بنک میں جمع ہوں۔ اور خاص کردہ روپیہ جو سیونگ بنک اکاؤنٹ میں جمع ہو۔
- وہ زیورات اور قیمتی اشیاء جو بنک لاکروں میں بطور حفاظت جمع ہوں۔
- وہ مال واسباب جن کا انشورنس کرایا گیا ہو۔
- وہ مال ومتاع جو اعلان شدہ ہو۔ ۵۔ وہ مال جو دکانوں اور گوداموں میں جمع ہو۔
- وہ کارخانے اور تجارتی ادارے جن کا باقاعدہ آڈٹ حساب کتاب موجود ہو۔
- وہ رقم جو شیئر مارکیٹ میں لگائی گئی ہو۔

اس طرح کے بہت سے اعلان شدہ اثاثہ جات ہوسکتے ہیں جو "اموال ظاہرہ" سے ملحق قرار دے کر ان کی لے سکتی ہے۔ اور مال والوں کو ان کی زکوٰۃ کا ایک حصہ (اپنے اعزہ اور پڑوسیوں وغیرہ کو دینے کے لیے) کے حوالے بھی کر سکتی ہے۔ یہ ایک معقول تجویز ہے۔ اور اس سے کسی کو دل شکنی نہیں ہوگی۔

اسلامی نظام کی برکتیں

اسلامی نظام کے یوں تو بے شمار فوائد ہیں، مگر اس موقع پر ان میں سے چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اسلامی معاشرہ کی سماجی، معاشی اور تعلیمی سدھارنے کے سلسلے میں ایک بہت بڑا انقلاب لایا جاسکتا ہے۔ اور اسلام کو ایک مؤثر تحریک بنانے کی راہ منصوبہ بند طریقے سے کام کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ فائدہ صرف اسُی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ مسلم معاشرہ کا سروے کر کے مستحق لوگوں کو اس خدائی امداد سے نوازا جائے۔

۲۔ زکوٰۃ کی تنظیم سے خود معاشرہ کی تنظیم عمل میں آسکتی ہے اور محروم و بے کس افراد میں اعتماد نفس پیدا ہے۔ اور یہ عمل مسلمانوں کی تنظیم اور اُن کی اجتماعی زندگی کی طرف پہلا قدم ہے۔

۳۔ زکوٰۃ کے نظم اجتماعی کے باعث گداگروں کا سدّباب ہوسکتا ہے، جو مسلم معاشرہ کے ماتھے پر کلنک ٹیکہ ہے۔

۴۔ جو لوگ زکوٰۃ کے مستحق اور حقدار ہیں انہیں در بدر کی ٹھوکریں کھائے بغیر اُن کا حق مل سکتا ہے اور انہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

۵۔ تنظیم زکوٰۃ کے ذریعے مدرسوں اور اداروں کو بھی گھر بیٹھے منظم طور پر امداد مل سکتی ہے اور وہ چندہ کرنے کی زحمت سے بچ کر اپنی پوری توجہ تعلیمی معیار کو بلند کرنے پر صرف کر سکتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں تعلیمی میں اچھے نتائج برآمد ہونے کی توقع ہے۔

۶۔ نظم اجتماعی کے ذریعہ ہر شخص اور ہر ادارے کو قابل اعتماد طریقے سے مدد مل سکے گی۔

۷۔ ایک شریف اور خود دار شخص جو ہے تو غریب مگر کسی مالدار کے سامنے ہاتھ پھیلانے میں عا محسوس کرے گا، لہٰذا وہ کسی کے پاس مانگنے نہیں جاتا۔ کیونکہ وہ اس میں اپنی ذلت محسوس کرتا ہے۔ لہٰذ اجتماعی کی صورت میں ایسے شخص کا وقار مجروح نہیں ہوتا، بلکہ اس کی عزت نفس باقی رہتی ہے۔ چنانچہ اس میں علامہ سید سلیمان ندوی تحریر کرتے ہیں "اسلام نے زکوٰۃ ادا کرنے کا صحیح طریقہ یہ مقرر کیا ہے کہ دینے و خود کسی کو نہ دیں۔ بلکہ وہ اس کو امیر جماعت کے بیت المال میں جمع کریں۔ اور وہ امیر حسب ضرورت مستحقین کو دے۔ تاکہ اس طرح غریب لینے والا مگر شریف مسلمان ذاتی طور سے کسی دوسرے شخص کا ممنونِ احسان بن کر ا ذلت محسوس نہ کرے۔ اور دینے والے کو ذاتی طور سے کسی پر منت رکھنے کا موقع نہ ملے۔ اور اس طرح پ قوم کا اخلاقی معیار اپنی پوری بلندی پر قائم رہے۔" [۱]

۸۔ زکوٰۃ کا ایک صنف "فی سبیل اللہ" بھی ہے۔ اور اس کے تحت وہ لوگ آتے ہیں جو اللہ کے راستے میں کام کر رہے ہوں۔ یعنی کسی دینی و علمی خدمت میں لگے ہوئے ہوں۔ ان کا حال ہر شخص نہیں جانتا نہ ہر ایک ان کی اہمیت کا اندازہ کر سکتا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم ہو جائے تو انہیں ان کا حق بجا مل سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں۔

"فقراء میں ان خود دار اور مستور الحال شرفا کو ترجیح دی ہے جو دین اور مسلمانوں کے کسی کام میں مصر ہونے کی وجہ سے نوکری چاکری یا بیوپار نہیں کر سکتے۔ اور حاجت مند ہونے کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتے۔ اور اپنی آبرو اور خود داری کو ہر حال میں قائم رکھتے ہیں۔" [۲]

۹۔ مشہور عرب عالم علامہ یوسف قرضاوی اپنی معرکۃ الآراء کتاب "فقہ الزکوٰۃ" میں زکوٰۃ کے ا نظام پر بحث کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ، اسلام ایک مکمل اور رہنما پیغام کا حامل ہے۔ وہ عقیدہ و نظا

---

[۱] سیرت النبیؐ: ۲۰۳/۵ [۲] ایضاً: ۱۷۲/۵

ملاق وقانون کا مجموعہ ہے۔ وہ فرد کی آزادی اور اُس کی تکریم کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی ترقی اور بھلائی کا بھی علمبردار ہے اس جو کھتے ہیں زکوٰۃ کا نظام انفرادی طور پر نہیں بلکہ حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا مصرف فقراء و مساکین ہی کے لیے نہیں بلکہ اس سے مسلمانوں کے مصالح عامہ بھی مقصود ہیں ان کا صحیح اندازہ افراد ہیں کر سکتے بلکہ اس کا صحیح اندازہ مسلمانوں کی جماعت کے معاملہ فہم لوگ اور اہلِ شوریٰ ہی کر سکتے ہیں، جیسے یف قلب، جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری اور اشاعت اسلام کے لیے مبلغین کی تیاری وغیرہ امور کے لیے ـرزچ کرنا۔“ [1]

جتماعی نظام کے لیے غیر سرکاری تنظیمیں

اب رہا یہ مسئلہ کہ جہاں پر اسلامی حکومت موجود نہ ہو وہاں کیا کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے مقامات پر مسلمان خود اپنی تنظیمیں قائم کرکے یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ اور شرعی اعتبار سے ں راہ میں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی۔ کیونکہ ایمان باللہ کے بعد ایک مسلمان پر سب سے پہلے جو فریضہ عائد ہوتا ہے وہ نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرنا ہے۔ جیساکہ احادیث میں مذکور ہے۔ لہٰذا جب مسلمان غیر مسلم حکومتوں میں نماز کا نظام قائم کیے ہوتے ہیں تو زکوٰۃ کا نظام قائم کرنا ممنوع کیسے ہوگا؟ نماز اور زکوٰۃ دو توأم چیزیں ہیں ں میں تفریق نہیں کی جاسکتی۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ موجودہ دور میں کوئی تنظیم یا ادارہ بذات خود اصحاب مال کے پاس جاکر اموال باطنہ کی زکوٰۃ صول کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو صاف ظاہر ہے کہ اس طرح کی وصولی اصحاب مال سے رضاکارانہ ہوگی نہ کہ زبردستی صول کرنا۔ کیونکہ اسی اصول پر آج تمام مدرسے تنظیمیں اور ادارے چل رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ موجودہ دور میں ب تک اصحاب مال کے پاس پہنچ کر بالمشافہ درخواست نہ کی جائے کسی کو کچھ نہیں ملتا۔ اور شریعت میں س قسم کی کوئی ممانعت موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اس خدائی امداد سے ہر مدرسہ، ہر تنظیم اور ہر ادارہ مستفید ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مدارس بھی اجتماعی نظام ہی کی ایک شکل ہیں۔ جو زکوٰۃ مالداروں سے وصول کرکے مستحق طلبہ کو دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے اگر کوئی تنظیم یا ادارہ بھی یہی خدمت انجام دے اور مسلم معاشرہ کی بھلائی کے لیے کام کرے یہ بات غلط کیسے ہوسکتی ہے؟ اور بے جا قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرکے اس کی افادیت و معقولیت پر رف گیری کیسے کی جاسکتی ہے۔

نیز اس موقع پر یہ حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جو ادارہ یا تنظیم مال والوں سے زکوٰۃ وصول کرکے اُس کے

---

[1] فقہ الزکوٰۃ: ۲/۷۵۶، مطبوعہ بیروت، آٹھواں ایڈیشن، ۱۹۸۵ء (ملخص)

مصارف میں خرچ کرتی ہے تو اس کی حیثیت مال والوں کی جانب سے وکیل کی سی ہوتی ہے ، جو شرعی نقطۂ نظ ایک جائز شکل ہے ۔ لہٰذا ضروری نہیں ہے کہ ہر مالدار شخص اپنی زکوٰۃ خود ہی تقسیم کرے ۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ وہ زکوٰۃ کے مصارف و ضوابط سے ناواقف ہو ۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ اندھا دھند طریقے سے خرچ کر زکوٰۃ جیسی قیمتی شئے کو برباد کر دے گا ۔ نتیجہ یہ کہ ہمارے ملی مصالح پورے نہیں ہوں گے ۔

حرفِ آخر

خلاصۂ بحث یہ کہ زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کے سلسلے میں شرعی اعتبار سے کوئی موجود نہیں ہے ، خواہ وہ سرکاری طور پر ہو یا غیر سرکاری طور پر بلکہ اس قسم کا قائم کرنا اپنی اہمیت و افادیت کے لحاظ سے وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے ۔ ہماری اجتماعی زندگی کا ر کے اجتماعی نظام میں پوشیدہ ہے ۔ کیوں کہ ملّت اسلامیہ کو حرکت میں لانے اور اسے فعّال و سرگرم بنانے کا سب سے بڑا ذریعہ و وسیلہ ہے ۔ اور اس کے ذریعہ خود اسلامی نظام کو بھی بروئے کار لائے ہیں بڑی ما ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے بازوؤں کو مضبوط کرنے کی غرض سے اسے جاری کیا ہے ۔ مگر ہماری ناواقفیت لاعلمی نے اسے ایک مُردہ اور بے جان سا عنصر بنا کر رکھ دیا ہے ۔ لہٰذا مسلمان جب تک زکوٰۃ کے نظام کو درست وہ زندگی کے میدان میں ہمیشہ مار کھاتے اور اغیار کے محتاج بن کر دنیا والوں کی نظروں میں ذلیل و حقیر تص کیے جائیں گے ۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی   نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے

وما علینا الا البلاغ ۔

ماہنامہ نصرۃ العلوم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ ، شیخ التفسیر مولانا صوفی عبدالحمید سواتی کی سرپرستی اور حضرت مولانا محمد فیاض خان سواتی مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی ادارت میں ن پر آگیا ہے ، جس کے نومبر ، دسمبر کے دو پرچے چھپ چکے ہیں ، علمی و دینی تحقیقی اور ادبی حلقہ شاندار پذیرائی اور اہل علم کا زبردست خراج تحسین ۔ سالانہ چندہ ۱۲۰ روپے فی پرچہ ۱۲ رو

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ۵۲۲۵۰ ۔